ساتویں صدی ہجری میں تقابل ادیان پر لکھے گئے رسالہ "بین المذاہب" کا تنقیدی جائزہ

ڈاکٹر عبدالرشید رحمت

ادیان عالم کا مطالعہ ہر دور میں دلچسپی کا حامل رہا، لیکن اس موضوع پر لکھنے والے کو مشکل ترین مراحل سے گذرنا ہوتا ہے۔ اپنے دین سے محبت کے سبب اکثر اوقات ان کا قلم حق سے انحراف کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ اور دیگر ادیان کے محاسن کو معائب کی صورت میں پیش کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

اس رسالہ کے نام سے بظاہر یہ تاثر ملتا ہے کہ مولف نے الہامی مذاہب (خصوصاً توحید پرست) کا تعارف اختصار اور غیر جانبداری کے ساتھ قارئین کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے جب کہ اس کے تنقیدی مطالعہ سے نتیجہ اس کے برعکس سامنے آتا ہے۔

اس کے مولف ابن کمونہ ہیں جنھوں نے ساتویں صدی ہجری میں " تنقیح الابحاث للملل الثلاث " کے نام سے ایک مختصر رسالہ پہلے عبرانی میں اور بعد میں عربی زبان میں لکھا۔

مختصر حالات زندگی:۔

نام عزالدولہ سعد بن منصور المعروف بابن کمونہ ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا تعلق ملت یہود سے تھا ۔ بنیادی طور پر وہ منطق و فلسفہ کا ماہر تھا، اسی طرح کیمیاء کے فن میں بھی ماہر تھا ۔ ان فنون میں اس کی مستقل کتابیں موجود ہیں ۔ مذاہب کے حوالہ سے اس کی کتاب " تنقیح الابحاث لملل الثلاث ہے جو عربی زبان میں پہلی مرتبہ جامعہ کیلی فورنیا (امریکہ) سے یہودی مستشرق

موسی برلیمان کی تحقیق کے ساتھ ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی۔ ابن کمونہ نے ساتویں صدی ہجری میں زندگی کا زیادہ وقت بغداد میں گذارا۔ (۱)

اس دور کے دو مسلمان علماء نے اس رسالہ کے دو جواب لکھے۔ جن میں سے ایک کا ذکر صاحب کشف الظنون نے کیا ہے:

" شیخ زین الدین سریجا الملطی الماردینی نے ۷۸۸ ھ میں اس کا رد لکھا تھا جس کا نام "نھوض حثیث النھود الی خوض خبیث الیھود ہے" (۲)۔

یہ رسالے حوادث زمانہ کا شکار ہو کر ضائع ہو گئے' ابن کمونہ کی یہ کتاب کسی طرح محفوظ رہی۔ عربی متن اور انگریزی ترجمہ کے ساتھ امریکہ سے شائع ہو چکی ہے۔ (۳)

مذکورہ کتاب کی غیر جانبداری تو اس وقت مشکوک ہو گئی جب بقول ابن الفوطی یہ کتاب لوگوں تک پہونچی تو عوام الناس اس کے خلاف کھڑے ہو گئے اور ابن کمونہ کے قتل کے منصوبے بنانے لگے ۔ یہ سن کر ابن کمونہ روپوش ہو گیا اور حلہ میں مقیم اپنے بیٹے کے ہاں مستقل طور پر جا ٹھہرا اور وہیں ۶۸۳ھ میں (۴) اس کی وفات ہوئی۔

ابن کمونہ نے اس کتاب کا آغاز مسلمان علماء کی طرح کیا ہے جس سے بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف کوئی مسلمان عالم ہے۔ خصوصاً اس کا وہ جملہ خاص طور پر قابل ذکر ہے جہاں اس نے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پیش کیا ہے (۵)

مصنف نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ چونکہ ان مذاہب (یہودیت ' عیسائیت اور اسلام) میں اکثر مناظرے و مباحثے ہوتے رہتے ہیں اس لئے میں نے ان امور کو پیش نظر رکھ کر اس کتاب کو لکھا۔ تینوں مذاہب کے تذکرہ سے قبل نبوت کی حقیقت ' اس کی اقسام اور اس کے فوائد تفیلاً بیان کئے ہیں اور آخر میں ترتیب زمانی کے حوالہ سے تینوں الہامی مذاہب کو درجہ بدرجہ پیش کیا ہے جن میں ان کے عقائد و نظریات کو پیش کرنے کے بعد ان مذاہب پر وارد شدہ اعتراضات اور ان کے جوابات دینے کی کوشش کی ہے۔

ابن کمونہ نے اپنے اسلوب کے بارے میں یہ دعوی کیا:

"ولم اقل فی شئی من ذلک مع الھوی ولا تعرضت ترجیح ملة علی اخری۔ (٦)

(میں نے تحریر کرتے وقت اپنی ذاتی خواہشات کو پیش نظر نہیں رکھا اور میرا مقصد کسی دین کو دوسرے دین پر ترجیح دلانا نہیں۔)

ہمارے خیال میں مصنف مذکور کا یہ دعوی درست نہیں ۔ چنانچہ کتاب کے مباحث پیش کرتے وقت اس کے دعوی غیرجانبداری کو واضح کیا جائے گا۔

یہودی مستشرق موسی برلیمان بھی اس کی غیرجانبداری کی شھادت دیتے ہیں:

It makes use of the common Muslim eulogies of Muhammad (in Hebrew Characters) and thus gives the impression that it. has been written by a Muslim.

وہ مزید لکھتے ہیں:

"کہ یہ کتاب درحقیقت الھامی مذاھب کی معلومات کا ذریعہ ہے اور ان میں مذکور دعاوی کا تجزیہ کیا گیا ہے ۔ یہ اتنی غیر معمولی مہارت سے پیش کیا گیا کہ سوائے گہرے مطالعہ کے بشکل یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کسی یہودی عالم کے افکار کا نتیجہ ہے" (٨)

مصنف نے اپنی کتاب کا آغاز نبوت کی حقیقت ' نبی اور عام انسان کا فرق ' اور اس پر عائد کردہ اعتراضات کو پیش کر کے ان کے عقلی جوابات پیش کئے ہیں ۔ اس باب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مصنف نے اس کا بیش تر مواد مسلمان فلاسفہ سے لیا ہے ۔ یقیناً امام غزالی کی المنقذ من الضلال" اور امام فخرالدین رازی کی المحصل اور المعالم اس کے پیش نظر تھیں ۔ قدیم مصنفین کی طرح ابن کمونہ نے ان کتابوں کا حوالہ نہیں دیا۔

اس باب میں سب سے پہلے نبوت کی حقیقت واضح کرنے کے بعد اس کے تین خواص پیش کئے ہیں اس کے خیال میں یہ خواص بعض اوقات کسی نبی میں یکجا ہو جاتے ہیں اور کسی میں صرف ایک یا دو پائے جاتے ہیں ۔ اس کے بعد یہ بتلایا کہ نبی ہونے کے لئے کیا صلاحیتیں درکار

ہیں۔ اس سلسلہ میں تین آراء ملتی ہیں۔ اس طرح نبوت و ولایت کا فرق واضح کرتے ہوئے نبوت کے دس مدارج بھی پیش کئے ہیں اس کے ساتھ ساتھ نبوت کی سچائی کے لئے معجزہ کی حقیقت' اس کی شرائط نیز معجزہ و جادو کا فرق بھی واضح کیا ہے۔ آخر میں انبیاء و رسل کی بعثت کے پندرہ فوائد بھی تفصیلاً پیش کئے ہیں اور منکرین نبوت کے تین بڑے اعتراضات پیش کر کے منطق و فلسفہ کی زبان میں ان کا جواب دیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ابن کمونہ نے عقیدہ نبوت پر وارد شدہ ہر ممکن اعتراض جو عقلی نکتہ نظر سے وارد ہو سکتا تھا اسے من و عن پیش کر کے اس کا تسلی بخش جواب دیا ہے۔

اب ہم الہامی مذاہب کے بارے میں اس کی پیش کردہ آراء کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

یہودیت :۔

ابن کمونہ نے دوسرے باب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے دلائل اور شریعت موسوی کے اصول پیش کئے ہیں وہ لکھتا ہے:

"کہ نبوت کا سلسلہ جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور نوح علیہ السلام سے ہوتا ہوا حضرت ابراہیم تک پہنچا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالہ سے نیا انکشاف کیا جو تورات اور عام کتب تاریخ میں نہیں ملتا:

"کہ حضرت ابراہیم اپنے دادا عابر کے نظریات کے خصوصی شاگرد تھے اور اسی نسبت سے انہیں عبرانی کہا جاتا ہے" (۹) توریت اور کتب تاریخ میں آپ کے دادا کا نام ناحور ہے اور عابر سلسلہ نسب میں چھٹے نمبر پر ہے (۱۰)

اس باب کے آغاز میں مصنف کی غیر جانبداری مجروح ہو جاتی ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل سے تمام انبیاء کا تفصیلاً تذکرہ کرتا ہے لیکن آپ کے فرزند اکبر حضرت اسماعیل علیہ السلام کا سرے سے نام ہی نہیں لیتا (۱۱)۔

ابن کمونہ نے یہ انکشاف بھی کیا کہ بعثت کے وقت حضرت موسی علیہ السلام کی عمر ۸۰ برس (۱۲) تھی۔ جب کہ انبیاء بعثت کے وقت عام طور پر چالیس برس کے ہوتے ہیں۔

بنی اسرائیل کی ذلت و شقاوت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرعون کی غرقابی اور موسی علیہ السلام کو تورات اور احکام عشرہ دیئے جانے کا ذکر بھی کیا ہے۔ اسی طرح حضرت موسی علیہ السلام کی طرف منسوب معجزات کو بھی بیان کیا ہے۔

طویل تمہید کے بعد بنی اسرائیل کو نئی شریعت دیئے جانے کا ذکر کیا جن میں خصوصی احکام مثلاً سبت کی تعظیم وغیرہ شامل تھی ۔ بقول ابن کمونہ جب امت یہود کو زیادہ ابتلاء و آزمائش کی بھٹی سے گذرنا پڑا تو اس طرح سے امت دوسری امتوں سے بہتر و افضل قرار پائی۔

اس بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ابن کمونہ عقائد یہود کی پوری طرح ترجمانی کر رہا ہے۔ ان کا یہ بنیادی عقیدہ صراحت سے پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"واعتقدوا ان هذه الشريعة لاتنسخ ولاتبدل بغيرها" (۱۳)

یعنی (ان کی شریعت نہ تو منسوخ ہوگی اور نہ کسی اور شریعت سے بدلی جائے گی)۔

اس کے بعد یہود پر عائد شدہ سات اشکالات پیش کر کے ان کے جوابات تفصیلاً پیش کئے ہیں ۔ چونکہ شریعت یہود کا ازلی و ابدی ہونا ان کا بنیادی عقیدہ ہے لہٰذا ابن کمونہ کے دلائل پیش کرنے کے بعد ہم علماء اسلام کے دلائل کا خلاصہ بھی پیش کریں گے۔

ابن کمونہ کے خیال میں موجودہ توریت میں نہ تو تحریف ہوئی اور نہ ہی تبدیلی ۔ کیونکہ یہود نے نہ صرف تورات کو محفوظ رکھا بلکہ انبیاء کی دوسری کتابوں کو بھی محفوظ رکھا حتی کہ توریت کی آیات کلمات اور حروف تک کو گن ڈالا۔

تورات کے تین مختلف نسخوں میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں اس کے متعلق ابن کمونہ کی رائے یہ ہے کہ ایسے اختلافات قرآن مجید کی قرآت سبعہ کے اختلاف سے بھی کمتر ہیں ۔

تورات کے حوالہ سے تیسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اس میں خدا تعالیٰ کی تجسیم و تشبیہ کا ذکر ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات بیان کی گئی ہیں جسے عقل انسانی تسلیم نہیں کرتی مثلاً خدا تعالیٰ کی طرف پشیمانی ' غصہ ' محبت جیسی صفات کی نسبت اور آواز و حروف سے بات چیت کرنا وغیرہ۔

ابن کمونہ نے ان اعتراضات کے جواب تفصیلاً پیش کئے ہیں کہ ایسی تمام عبارات جن سے تجسیم و تشبیہ ثابت ہوتی ہے' اس سے مجازی معنی مراد ہیں' اگر کہیں خدا تعالیٰ کی انگلی کا ذکر ملتا ہے تو یہ اس کی قدرت سے استعارہ ہے جس طرح عربی زبان میں ید سے مراد قدرت خداوندی ہے۔

ابن کمونہ کے خیال میں قول مشہور اور قول متواتر میں فرق ہے وہ اپنی مذہبی روایات کو متواتر مانتا ہے اور دوسرے مذاہب کی روایات کو مشہور سے تعبیر کرتا ہے۔ (۱۴)

ابن کمونہ نے نسخ پر عائد کردہ پانچ اعتراضات سموئل بن عادیا المغربی کی کتاب افحام الیہود سے پیش کئے ہیں سموئل پہلے یہودی عالم تھے بعد میں اسلام لے آئے اور یہودی عقائد کے رد میں ایک کتاب لکھی ۔ ابن کمونہ نے اس کتاب کا نام لئے بغیر ایسے تمام الزامات صرف نقل کر دیئے ہیں ۔ بعد میں متکلمانہ انداز میں ان کا جواب بھی دیا ہے ۔

نسخ کے حوالہ سے سموئل کا ایک نکتہ بہت دلچسپ ہے : وہ لکھتے ہیں ۔

"تورات میں لکھا ہے: کہ جو شخص کسی مردہ انسان کے ہاں موجود رہا ہو' یا وہ اس کی ہڈی کو ہاتھ لگائے یا کسی قبر کو روندے۔ تو ایسا شخص ناپاک ہو جائے گا۔ اس کی طہارت کی صورت صرف یہ ہے کہ وہ اس گائے کی خاکستر استعمال کرے جسے امام ہارونی جلایا کرتے تھے ۔ تورات کے اس حوالہ سے ایسا شخص ناپاک ہے جب کہ دور حاضر میں ایسی خاکستر کا ملنا ناممکن ہے۔ اس طرح وہ شخص ساری عمر ناپاک ہی رہے گا۔ جب کہ وہ اپنی نمازیں بھی ادا کرتے ہیں مصاحف بھی اٹھاتے ہیں۔ نتیجتہً ضرورت کے پیش نظر وہ نسخ تورات کے قائل ہو چکے ہیں۔" (۱۵) ۔

سمول مزید کہتے ہیں:

"کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان کی نماز کی دعا کچھ اور تھی، موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد اب ان کی دعا کے الفاظ بدل چکے ہیں۔ اس کی بیشی سے نسخ ثابت ہو گیا" (۱۶)

نسخ کے حوالہ سے مشہور معتزلی ابراہیم بن سیار النظام کے اس مناظرہ کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہو گا جو اس کے بعد کے مشہور یہودی عالم یسا بن صالح الیہودی سے ہوا تھا۔ یہودی عالم نے اپنا نکتہ نظر پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شریعت پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں وہ یقیناً حکمت کہلاتی ہے۔ نظام معتزلی نے اسے تسلیم کر لیا۔ اس پر یہودی عالم نے کہا:

کیا یہ کہنا درست ہو گا کہ اللہ تعالیٰ پہلے تو کسی شریعت پر عمل کرنے کا حکم دیں بعد میں اس سے خود ہی روک دیں اس طرح تو اس نے اپنے حکیمانہ فعل سے خود ہی اعراض کیا؟

اس پر نظام نے جواب دیا کہ حکمت کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ ایسی چیز جو فی نفسہ حکمت کہلاتی ہے جیسے عدل، ایمان اور سچائی وغیرہ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان امور سے کبھی نہیں روکا۔

۲۔ کچھ امور اس وقت حکمت کہلاتے ہیں جب کسی حاکم نے اس کے کرنے کا حکم دیا ہو اس طرح وہ حسن کہلائے گا اور جب اس کو چھوڑ کر دوسری چیز کا حکم دیا تو وہ مامور بہ حسن کہلائے گا اس صورت میں اطاعت الٰہی کو اپنانے کا نام حکمت ہو گا۔

اس پر یسا نے کہا:

"کیا یہ درست ہو گا کہ پہلے اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کی زبانی لوگوں کو شریعت موسوی اپنانے کی تلقین کریں جیسا کہ خود توریت میں لکھا ہے:

"کہ یہ تمہارے لئے تا قیامت ہے اور جو اس پر عمل نہ کرے اسے قتل کر دو" بعد میں

اسی حکم سے روکا جائے۔

ابراہیم نظام نے فوراً کہا:

"کبھی یہ بھی درست ہوتا ہے ۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شریعت کا ماننا اپنے معجزات کے حوالہ سے ضروری قرار دیا تھا اور لوگوں کو بتلایا کہ یہ خدائی حکم ہے لہٰذا جو شخص موسیٰ علیہ السلام کی طرح معجزات پیش کرے تو اس کا ماننا موسیٰ علیہ السلام کی طرح ضروری ہو جائے گا۔ اگر آنحضرت مسیح علیہ السلام جھوٹ بول سکتے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی۔ لہٰذا ثابت یہ ہوا کہ دونوں سچے تھے۔ لفظ ابد کی تاویل کر کے اس سے مراد لمبی مدت لی جائے گی (۱۷)

اسی طرح قاضی ابوبکر الباقلانی نے اپنی کتاب التمہید میں نسخ پر ایک مستقل باب باندھا ہے اور ان لوگوں کو مسکت جواب دیا جو اسے عقلی طور پر محال سمجھتے ہیں (۱۸)

نسخ پر وارد شدہ اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے ابن کمونہ نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ انبیاء معصوم عن الخطا نہیں ہوتے ۔ جب کہ امت مسلمہ کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ نبی بعد از نبوت معصوم عن الخطا ہوتے ہیں ۔ ابن کمونہ کا یہ کہنا اور بھی محل نظر ہے جہاں اس نے حضرت داود و سلیمان علیہما السلام کو نبی ہی تسلیم نہیں کیا (۱۹)

حالانکہ حضرت داود علیہ السلام پر زبور نازل ہوئی تھی جو آج بھی کسی نہ کسی شکل میں بائیبل میں موجود ہے ۔ باب کے آخر میں ابن کمونہ نے اپنے عقائد کی دلیل چند قرآنی آیات سے بھی پیش کی ہے مثلاً "قرآن ۴۷ : ۴۳ ۔ ابن کمونہ یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ تابید کے معنی لمبی مدت کے ہیں' بقول اس کے اس کا علم انہیں تورات کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کی دوسری کتب اور احبار یہود سے ہوا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی شریعت کے ابدی ہونے کا اعلان کیا تھا" (۲۰)

عیسائیت:۔

ابن کمونہ نے اس کتاب کے تیسرے باب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں

عیسائیوں کے بنیادی عقائد پیش کئے ہیں۔ ان کے نزدیک وہ انسان بھی تھے۔ وہ مکمل انسان اور مکمل خدا تھے تثلیث کا اقرار کرنے کے باوجود وہ اپنے آپ کو موحد ہی کہتے ہیں۔

اس کے بعد ابن کمونہ نے ان کی امانت کے وہ الفاظ نقل کئے ہیں جن کی ترتیب و تدوین میں ۳۱۸ پادریوں نے حصہ لیا تھا جو آج کل دین مسیح کے عقائد و ارکان شمار ہوتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کے بارے میں جس قدر تفصیلات ابن کمونہ نے نقل کی ہیں، ان کے ماخذ کی نشاندہی نہیں کی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس بارہ میں عیسائیت کے تین مشہور فرقوں کے نظریات اور ان میں اختلافات کا بیشتر حصہ مشہور معتزلی عالم قاضی عبدالجبار الہمدانی (م ۴۱۵ھ) کی مشہور کتاب، المغنی فی ابواب التوحید و العدل کی پانچویں جلد سے ماخوذ ہے کیونکہ ابن کمونہ اور عبدالجبار کی عبارات و تشبیہات میں مماثلث پائی جاتی ہے۔

ابن کمونہ نے یہ بھی لکھا ہے: کہ عیسائی علماء خصوصاً متاخرین یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کی شریعت قیامت تک منسوخ نہ ہو گی۔ اناجیل اربعہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب معجزات بھی ملتے ہیں۔ ابن کمونہ نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ تورات کے احکام کی تبدیلی حواریین کے ذریعہ سے ہوئی خود حضرت مسیح علیہ السلام اس کے ذمہ دار نہیں۔ اس کے خیال میں ایسا سینٹ پال کے ذریعہ سے ہوا۔ (۲۱)

عیسائیت کے بنیادی عقائد پیش کرنے کے بعد ابن کمونہ نے اقنوم مسیح اور اتحاد مسیح کے بارہ میں جتنے اعتراضات عقلی انداز سے پیش ہو سکتے تھے انہیں تفصیلاً بیان کیا ہے۔ ابن کمونہ کی یہ معلومات قاضی عبدالجبار الہمدانی کی المغنی سے ماخوذ ہیں کیونکہ قاضی عبدالجبار نے صرف انہی عقائد کو اپنی کتاب میں عقلی تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔

انسانی کمزوریوں کے حوالہ سے یہ ثابت کیا کہ انسان اپنی فطری خواہشات کے ساتھ خدا کیونکر ہو سکتا ہے اگر ایسا ہونا درست ہے تو پھر کائنات کے بہت سے انسان اس معیار پر پورے اترتے ہیں آخر انہیں خدا کیوں نہ مانا جائے۔۔ ابن کمونہ نے اناجیل کے حوالہ سے یہ ثابت کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے خدا تعالیٰ صرف ایک مرتبہ ہم کلام ہوئے اور آخر میں اسے

دشمنوں کے لئے بے یارومدگار چھوڑ دیا گیا جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کئی بار شرف تخاطب حاصل ہوا۔

اس باب کے آخر میں عیسائیوں کی طرف سے جوابات اس انداز سے پیش کئے ہیں جسے کوئی عقل مند انسان بشکل ہی تسلیم کر سکتا ہے۔ اس بارہ میں ابن کمونہ لکھتا ہے:

اقانیم صرف تین کیوں مانے گئے؟ جواب: نص میں یہی کچھ لکھا ہے البتہ اس کی توجیہ و حکمت سے ہم واقف نہیں اسی طرح اتحاد کی کیفیت کا احساس اس دنیا میں نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی ایسی کیفیات جو انسانیت کا خاصہ ہیں مثلاً نیند' آرام وغیرہ یہ صرف ان کے بشری پہلو کا اظہار تھا الاھیاتی پہلو یقیناً اس سے مختلف تھا۔

اس کے علاوہ حضرت مسیح علیہ السلام اپنے آپ کو ابن اللہ مجازی معنی میں کہا کرتے تھے جسے موافق و مخالف دونوں ہی تسلیم کرتے ہیں۔

باب کے آخر میں ابن کمونہ نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ عیسائیوں نے انبیاء علیہم السلام کے کلام کو عبرانی سے یونانی یا سریانی میں ترجمہ کرتے وقت تحریف کر ڈالی۔ یہ تحریف اتنی شدید تھی جس سے اصلی معنی بگڑ گئے۔ عیسائی حضرات اس تبدیلی کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ تحریف شعوری یا غیر شعوری تھی یا زبان سے عدم واقفیت کا نتیجہ تھی۔ (۲۲)

ابن کمونہ اپنی حسب عادت یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات حد تواتر تک پہونچ چکے ہیں جس طرح خود کسی عیسائی یا حضرت مسیح علیہ السلام کا وجود تواتر سے ثابت ہے۔ البتہ معجزات کا تعلق شہرت سے ہے لہٰذا وہ متواتر کی طرح ہو سکتے ہیں لیکن حقیقی معنی میں متواتر نہیں۔

سب سے آخر میں عیسائیوں سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے ابن کمونہ یہ اعتراف کرتا ہے:

"اگر ہم حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کے تمام احوال کا بنظر غائر مطالعہ کریں خصوصاً ان کا زہد' پرہیزگاری اور اس دین کو برقرار رکھنے میں جتنے مصائب انہوں نے برداشت کئے اور اپنے دین کو جس حد تک پہنچایا' ان قرائن سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ انہیں بھی عنایت ربانی اور تائید ایزدی حاصل تھی" (۲۳)

ابن کمونہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ عیسائیوں کی جانب سے بیشتر جواب اس نے خود ہی پیش کئے ہیں جب کہ اسے ان کی تفصیل ان کی کتابوں میں نہیں ملی۔ اس سے ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ ابن کمونہ اسلام کے مقابلہ میں عیسائیوں کے لئے نرم گوشہ رکھتا تھا۔

اسلام:

کتاب کا چوتھا اور آخری باب اسلام سے متعلق ہے جو اس کتاب کا طویل ترین باب ہے ابن کمونہ نے شروع میں مسلمانوں کے متفقہ عقائد نقل کئے ہیں۔ ذات اور صفات کے حوالہ سے علماء امت میں جو اختلافات پائے گئے ان کی طرف اختصار کے ساتھ اشارہ کیا ہے جس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ابن کمونہ مسلمان متکلمین کے اختلافات سے پوری طرح باخبر ہے لیکن وہ اسے کھل کر بیان نہیں کرسکا۔

اس باب میں آنحضور علیہ السلام کی نبوت کے اثبات میں ابن کمونہ نے چھ دلائل پیش کئے ہیں جس میں اس کا انداز بیان تقریباً وہی ہے جو ایک مسلمان متکلم اپنے دعوی کے ثبوت میں پیش کرتا ہے اگر ابن کمونہ صرف انہی دلائل کو پیش کرنے پر اکتفاء کرتا تو اس کی غیر جانبداری مجروح نہ ہوتی لیکن ابن کمونہ اسلامی دلائل کو نقل کرنے کے بعد ان پر خود ہی شبہات و اعتراضات وارد کرتا ہے۔ اگرچہ بعد میں ان کے جوابات دینے کی کوشش کی گئی' جوابات اس قدر غیر موثر ہیں کہ وہ تشکیک کا دروازہ وا کردیتے ہیں۔

۱۔ سب سے پہلے ابن کمونہ نے آنحضور علیہ السلام کی نبوت کی دلیل اعجاز القرآن کے حوالہ سے پیش کی کہ اس زمانہ کے فصحاء و بلغاء ان کا مقابلہ نہ کرسکے جب کہ بار بار انہیں اس معارضہ کی دعوت دی گئی۔ چنانچہ اس دلیل پر ابن کمونہ نے پندرہ شبہات پیش کئے ہیں اور

انہیں مسلمان متکلمین کی طرف منسوب کیا ہے (۲۴)

ہمارے خیال میں یہ تمام شبہات معتزلہ کی کتابوں سے لئے گئے ہیں ۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ فرقہ معتزلہ میں سے بعض افراد ایسے بھی ہو گذرے ہیں جن کے نظریات اسلامی تعلیمات سے میل نہیں کھاتے مثلاً الخیاط نے یہ لکھا ہے:

"کہ احمد اور فضل (معتزلی علماء) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے قائل تھے" (۲۵)

اسی طرح ابراہیم نظام کا تصور وجوہ اعجاز کے سلسلہ میں کافی گمراہ کن تھا جس کی تردید اس کے ہم مذہب جاحظ نے اپنی کتاب "نظم القرآن" میں کی ہے۔ بایں ہمہ دینی دفاع میں اور بالخصوص قرآن مجید کے بلاغی محاسن کو آشکارا کرنے میں جو خدمات انہوں نے سرانجام دیں وہ اس وقت تک صفحہ تاریخ پر نقش رہیں گے جب تک اعجاز قرآنی اپنی تابانیوں سے قلوب عالم کو گرماتا رہے گا۔ اس سلسلہ میں واصل بن عطاء ' عمرو بن عبید اور جاحظ کے علمی کارنامے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تیسری صدی کے وسط میں ابن قتیبہ نے جو ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے مشکل القرآن کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں قرآن کے بلاغی محاسن پر کلام کرتے ہوئے معتزلہ کی آراء کا خوب تعاقب کیا۔ یہ امر دلچسپ ہے کہ خود ابن قتیبہ غیر عربی تھا۔

ابن کمونہ درحقیقت قرآن مجید کو کلام الٰہی تسلیم کرنے سے قاصر ہے اس لئے وہ اسے انسان کی ذہنی کاوش کا نتیجہ سمجھتا تھا۔ حقیقت یہی ہے کہ قرآن کریم معجزہ ہے اور تمام انسانی قوتیں اس کے بنانے سے بلکہ اس کی معمولی جزو بنانے سے بھی عاجز ہیں ۔ دیگر معجزات انبیاء کی طرح یہ وقتی معجزہ نہیں بلکہ دائمی اور ابدی معجزہ ہے جس کا جواب منکرین قرآن قیامت تک پیش نہیں کر سکتے ۔ چنانچہ جارج سیل نے اپنے مقدمہ قرآن میں اس امر کی تصدیق کی ہے کہ کسی انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتا۔ اسی طرح فرانسیسی سکالر Maxime Radinoason قرآن مجید کو کلام الٰہی تسلیم نہیں کرتا لیکن اس امر کا اعتراف کرتا ہے کہ تیرہ سو سال' تک اس کی نقالی نہیں ہو سکی۔ (۲۶)

بحث کے آخر میں ابن کمونہ نے امام رازی کی المعالم سے ایک طویل اقتباس نقل کیا ہے جو اس کے خیال میں اس مسئلہ کا بہتر جواب ہے ملاحظہ ہو:

"فرض کیجئے کہ قرآن حد اعجاز کو نہیں پہنچتا۔ لیکن یہ تسلیم کرنے میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید ایک بلند مرتبہ اور کثیر الفوائد کتاب ہے جس میں بست سے علوم کا ذکر بھی ملتا ہے۔ پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پروان چڑھے۔ یہ شہر شروع میں علمی کتابوں اور حقیقی مباحث سے خالی تھا۔ آپ نے قیام مکہ کے دوران طویل سفر بھی نہیں کئے اور نہ لکھنے پڑھنے کی طرف توجہ دی۔ چالیس برس کے بعد ایک ایسی کتاب پیش کی جو معجزہ کہلانے لگی ایسی کتاب کا پیش کرنا خدا کی وحی والہام کے بغیر ممکن نہیں ۔ آیت "وان کنتم فی ریب" کا مقصد بھی یہی تھا کہ مطالعہ و پڑھے بغیر ایسی کتاب پیش کر کے دکھاؤ" (۲۷)

۲۔ابن کمونہ نے آنحضور علیہ السلام کی نبوت کی دوسری دلیل غیب کی خبریں بیان کرنا پیش کی ہے ان میں سے دس قرآن مجید میں موجود ہیں اور احادیث میں سے دس سے زیادہ مشہور واقعات کا ذکر کیا ہے ۔

ابن کمونہ نے آیات کے حوالہ سے یہ شبہ وارد کیا ہے کہ ہم آیات کے تواتر کو تسلیم ہی نہیں کرتے جب کہ یہ جواب اس کے گذشتہ بیانات کے بالکل برعکس ہے ۔ اسی طرح ان تمام احادیث کی صحت کا انکار کیا کہ یہ تمام خبر واحد ہیں ـــ۔ اس شبہ کا بہترین جواب مشہور یہودی عالم سمؤل نے دیا جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے:

آپ لکھتے ہیں:

" اگر تواتر کا یہی معیار ہے تو پھر یہودیوں میں بھی تواتر کی شرط نہیں پائی جاتی کیونکہ ان کے اکثر آباء کافر تھے۔ لیکن انہوں نے ان کی کوئی بات نہیں مانی ۔ لہٰذا یہ تواتر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد علیہ السلام کو بھی حاصل ہے (۲۸) ۔

سمؤل اس امر کو دوسری جگہ مزید واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"جب کوئی نبی کسی زمانہ میں شہرت حاصل کر لے اور اس زمانہ میں اس کی نبوت معجزات

کے حوالہ سے درست تسلیم کر لی جائے پھر یہ شہرت دوسرے دور میں جا پہونچے تو اس نسل کو اس نبوت کی تصدیق و پیروی کرنی ضروری ہو گی کیونکہ متواتر و مشہور اشیاء کو تسلیم کرنا عقل کے لئے لابدی ہے۔ چنانچہ اس معاملہ میں حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد علیہم السلام برابر ہیں" (۲۹)

ابن کمونہ نے قرآن مجید کے بہت سے قصے و واقعات کا انکار کیا ہے کہ قرآن مجید کے بیان کردہ اکثر واقعات اہل کتاب کے ہاں قابل قبول نہیں۔ (۳۰)

۳۔ آنحضور علیہ السلام کا ذکر سابقہ انبیاء کی کتابوں میں اس لئے ثابت کیا گیا کہ قرآن مجید میں اس طرف خصوصی اشارے کئے ہیں مثلاً قرآن، ۷ : ۱۵۷۔ اسی طرح سورہ صف میں حضرت مسیح علیہ السلام نے آپ کی آمد کی اطلاع آپ کا نام لے کر دی تھی۔ (۳۱)

دور حاضر کی بائبل کے عہد نامہ قدیم میں بھی اس طرف اشارات ملتے ہیں ملاحظہ ہو Deut 18: 18: 22: 33 جس میں رب تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ کہہ رہے ہیں۔

انی مقیم لھم نبیا من اخوتھم

ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کے بھائی بنو اسماعیل تھے "وگرنہ اخوتھم کی بجائے انفسھم کا لفظ استعمال کیا جاتا۔ اس طرح ان عبارات میں جبال فاران کا ذکر ملتا ہے جب کہ فاران سے مراد حجاز مقدس ہے (۳۱)

ابن کمونہ کے خیال میں یہ دلائل قابل قبول نہیں۔ جب پیغمبر علیہ السلام نے ملک حجاز پر مکمل غلبہ حاصل کر لیا اور یہود و نصاریٰ نے آپ کو لائق التفات نہ سمجھا تو ان آیات کا اضافہ کر دیا گیا۔ یا کسی نو مسلم یہودی نے پیغمبر علیہ السلام کی قربت حاصل کرنے کے لئے یونہی کہہ دیا اور اسے سچ سمجھ لیا گیا۔ ابن کمونہ کے نزدیک فاران سے مراد حجاز کا علاقہ بھی ہو سکتا ہے مگر اس کے علاوہ چند اور مقامات کو بھی فاران کہا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں سموئل بن عادیا کا بیان انتہائی قابل ذکر ہے کیونکہ آپ عبرانی اور کتب یہود

سے پوری طرح واقف تھے۔ آپ لکھتے ہیں:

"کہ تورات کے پہلے سفر کے تیسرے جزء میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو مخاطب کر کے کہا:

"کہ میں نے حضرت اسماعیل کے حوالہ سے آپ کی دعا قبول کر لی۔ میں نے اس میں برکت دی اور اسے ثمردار بنایا"

سمول کے بقول یہاں عبرانی کا لفظ ماد ماد استعمال کیا گیا ہے اگر اس کے اعداد بلحاظ ابجد نکالے جائیں وہ ۹۲ بنتے ہیں جو لفظ محمد کے مساوی ہیں گویا یہاں آپ کا ذکر بطور معمہ کے کیا گیا۔ اگر آپ کا نام نامی صراحتہً درج ہوتا تو یہود اسے بدل ڈالتے یا ضائع کر دیتے جس طرح وہ دوسرے مقامات پر کر چکے ہیں۔ (۴۳)

۴۔ابن کمونہ نے نبوت محمدی کی پانچویں دلیل پیش کر کے اس پر دو رکیک حملے کئے ہیں۔

۱۔ اگر محمد علیہ السلام اپنی حکمت عملی کے لحاظ سے مکمل انسان تھے تو پھر مسلمان بادشاہوں نے اپنے سیاسی و انتظامی نظام رائج کرتے وقت اسلامی حدود و قصاص کی مخالفت کیوں کی حالانکہ یہ صریحاً غلط ہے۔

۲۔ اسلام صرف وہی شخص قبول کرتا ہے جسے حکومت وقت کا خوف ہو یا اسے کسی دنیاوی منصب کا لالچ یا پکڑے جانے کا خطرہ ۔۔ ابن کمونہ کا یہ دعوی تاریخی حقائق کی روشنی میں بالکل غلط ہے خصوصاً بیسویں صدی میں اس کا اعتراف غیر مسلم سکالرز نے کیا ہے کہ مذاہب عالم میں اسلام نوعمر ہونے کے باوجود اس کی رفتار سب سے زیاد ہے خصوصاً مغربی ممالک میں نامساعد حالات کے باوجود اسلام سب سے زیادہ پھیل رہا ہے (۴۴)

ابن کمونہ نے نبوت محمدی کی چھٹی اور آخری دلیل کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔

۱۔ امور خارجی

۲۔ امور ذاتی

خارجی سے مراد آپ کے معجزات وغیرہ اور ذاتی سے مراد آپ کی خانگی زندگی کے حوالہ سے آپ کا اسوہ حسنہ، اعمال صالحہ، مستجاب الدعوات ہونا ہے۔ اس سلسلہ میں احادیث میں مذکور واقعات کو نقل کیا ہے۔ ابن کمونہ ان سب واقعات کو خبر واحد کہہ کر تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے۔ اس کے خیال میں ایسے اخلاق عالیہ تو عام انسانوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ آنحضور علیہ السلام کی وہ خصوصیات جو صرف آپ کو حاصل تھیں ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے مثلاً آپ کا چار بیویوں سے نکاح کرنا مال غنیمت میں خصوصی حصہ وغیرہ۔

چونکہ ابن کمونہ آپ کو نبی ہی تسلیم نہیں کرتا لہٰذا آپ کے محاسن اسے معائب نظر آتے ہیں۔

خلاصہ: ابن کمونہ اپنے اس دعوی کے باوجود کہ وہ تینوں الہامی مذاہب کی تعلیمات و عقائد بلاتعصب پیش کرے گا، اسلام کے حوالہ سے مکمل طور پر ناکام رہا، بلکہ حسب موقعہ اپنی ذہنی کدورتوں کا اظہار کرتا رہا۔ اس طرح اس نے غیرمسلموں میں اسلام کے بارہ میں شکوک و شبہات پھیلانے کا کام کامیابی کے ساتھ انجام دیا۔ اشک شوئی کے لئے غیر موثر جوابات بھی دیئے لیکن ان جوابات سے ہی اس کی غیرجانبداری کی قلعی کھل جاتی ہے۔

جہاں تک کتاب کے مواد کا تعلق ہے ابن کمونہ نے مسلمان فلاسفہ و متکلمین کی کتابوں سے بھرپور استفادہ کیا چند مقامات پر ان کے نام بھی لکھے مثلاً امام رازی کی المحصل المعالم، سموں بن عادیا کی افہام الیہود۔ اس کے علاوہ کتب معتزلہ، خصوصاً قاضی عبدالجبار الہمدانی اور امام غزالی کی کتابوں سے استفادہ کیا لیکن ان کا نام نہیں لیا۔

بغداد جیسے علمی مرکز میں رہنے اور مسلمان علماء سے اختلاط کی بدولت اس کی عربی تحریر کا اسلوب عربوں جیسا ہے۔

یہ کتاب مختصر ہونے کی وجہ سے قاری کو تین الہامی مذاہب کے بارہ میں مختصر معلومات فراہم کرتی ہے لیکن تصویر کا صحیح رخ پیش کرنے سے قاصر ہے اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ تقابل ادیان کے موضوع پر قلم فرسائی علمی دیانت کے ساتھ انتہائی مشکل کام ہے۔

حواشی

۱- زرکلی، الاعلام، ج ۳، ص ۱۳۹۔ عمر رضا کحالہ، معجم المولفین، ج ۳، ص ۲۱۴
Encyclopaedia of Islam, (New Edition) Vol. 3 . P . 315

۲- چلپی، حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ج ۱، ص ۴۹۵

۳- ابن کمونہ، سعد بن منصور، تنقیح الابحاث للملل الثلاث، تحقیق موسی برلیمان، جامعہ کیلو فورنیا، ۱۹۶۷ء
Moshe Perlmann, Ibn Kammuna,s Examination of the three Faiths. University of California Press 1971.

۴- ابن الفوطی، الحوادث الجامعہ و التجارب النافعہ فی المائۃ السابعہ، بغداد ۱۹۳۲ء، ص ۴۴۱۔ تلخیص مجمع الاداب فی معجم الالقاب، دمشق ۱۹۶۳ء ص ۱۶۱۔ ۱۵۹

۵- ابن کمونہ، تنقیح الابحاث، ص ۱

۶- حوالہ سابقہ، ص ۱

۷- Moshe Perlmann, A Study of Muslim Polemics directed against Jews. P. 101 Unpublished ph. D . Thesis University of london(1940)

۸- حوالہ سابق، ص ۱۰۱۔

۹- ابن کمونہ، تنقیح الابحاث، ص ۲۲۔

۱۰- سیوہاروی، حفظ الرحمان، قصص القرآن، مکتبہ حنفیہ اردو بازار گوجرانوالہ، ت ن، ج ۱، ص ۱۵۱۔

۱۱- ابن کمونہ، تنقیح الابحاث، ص ۲۲

۱۲- حوالہ سابق، ص ۲۳

۱۳- حوالہ سابق، ص ۲۷۔

۱۴- حوالہ سابق، ص ۴۳۔

۱۵- سموال بن عادیا المغربی، افحام الیہود، تحقیق موسی برلمان، المجمع الامریکی للبحوث الیہودیہ نیویارک، ۱۹۶۴ء ص ۱۶۔

۱۶- حوالہ سابق، ص ۲۰۔

۱۷- شیخو، مقالات دمنیہ یسوعیہ، بیروت ۱۹۲۳ء، ص ۶۹۔ ۶۸

۱۸۔ الباقلانی، قاضی ابوبکر، کتاب التمہید، بیروت ۱۹۵۸ء ص ۱۸۸ - ۱۸۴

۱۹۔ ابن کمونہ، تنقیح الابحاث، ص ۴۷۔

۲۰۔ حوالہ سابق، ص ۴۹۔

۲۱۔ حوالہ سابق، ص ۵۴

۲۲۔ حوالہ سابق، ص ۶۵۔

۲۳۔ حوالہ سابق، ص ۶۷۔

۲۴۔ حوالہ سابق، ص ۸۵ - ۶۹۔

۲۵۔ الخیاط، ابوالحسین عبدالرحیم، الانتصار و الرد علی الراوندی، بیروت ۱۹۵۷ ص ۱۰۷۔

۲۶۔ Rodinson, Maxine, Muhammad' Penguin Book, London, 1973, P.82

۲۷۔ ابن کمونہ، تنقیح الابحاث، ص ۸۵۔

۲۸۔ سموئل بن عادیا، افہام الیہود، ص ۱۵ - ۱۲

۲۹۔ حوالہ سابق، ص ۲۵

۳۰۔ ابن کمونہ، تنقیح الابحاث، ص ۹۰۔

۳۱۔ اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو راقم کا مقالہ "حضرت کعب احبار کا قبول اسلام" تحقیقی مجلہ علوم اسلامیہ، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور ج ۳، ش ۱. ص ۱۰۵ - ۸۱

۳۲۔ سموئل بن عادیا، افہام الیہود، ص ۳۶ - ۳۵۔

۳۳۔ حوالہ سابق، ص ۳۲۔

۳۴۔ Hopfe, lewis M, Religions of the world Encino, California 1979. PP. 321-22.

☐☐☐